ڈاکٹر سید مہدی غروی
ترجمہ: ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی

مِلّی حیاتِ نو اور ترقی میں اقبال کا کردار

ای خوشا قومی کہ جان او تپید　　　از گلِ خود خویش را باز آفرید[1]

سرزمینِ مشرق بڑی مدت سے ایک دوراہے پر کھڑی ہے، جس کا سبب یہاں کی اقوام کی یہ سوچ ہے کہ زندگی کو اپنی قدیم اور روایتی ڈگر پر ہی چلایا اور گزارا جائے یا مغربی تہذیب و تمدن اور فرنگیت کو اپنا لیا جائے۔ کچھ سو سال پہلے ایران میں "فرنگستان" کے نام سے ایک رسالہ شائع ہوا کرتا تھا جس کے عنوان اور مندرجات کا سارا لُبّ لباب اس جملے میں سمٹ آیا تھا:

ایران کے لیے ضروری ہے کہ وہ روحانی و جسمانی طور پر اور ظاہری و باطنی طور پر، ہر طرح سے فرنگ مآب (مغرب زدہ) بن جائے[2]

مغربی ایشیا کے کئی ممالک میں مختلف قسم کی تحریکیں اٹھیں، جن سب کا بنیادی مقصد اپنی مشرقی روایات اور تہذیب و تمدن سے دامن چھڑا کر مغربی تہذیب و تمدن کا دامن تھامنا تھا۔ ان تمام تبدیلیوں میں سب سے

1۔ خوش بخت ہے وہ قوم جس کی روح میں تڑپ پیدا ہوئی اور اس نے اپنی مٹی سے خود کو دوبارہ پیدا کیا (حیات نو حاصل کی)۔

2۔ یہ جملہ درج ذیل عبارت کے آخر میں مذکور ہے:

زیادہ گہری، دور روس اور حیران کن تبدیلی ترکی میں حروفِ ہجا کے تغیر کی صورت میں رونما ہوئی۔ خود ایران میں بھی اس قسم کی زبردست کوشش بروئے کار لائی گئی کہ کسی طرح حروفِ ہجا کی بجائے لاطینی حروف کو رائج کر دیا جائے، لیکن چند دانشوروں کی ثابت قدمی کے نتیجے میں ایران اس انقلاب و تغیر سے محفوظ رہا۔ اصلاح و تغیر کا یہ مسئلہ روز بروز بڑھتا اور پیچیدہ تر ہوتا چلا گیا۔ اگر ہم ان ادوار کی تاریخ کو ذرا کھنگالیں تو پتا چلے گا کہ اس قسم کے ہزاروں بلکہ ہزاروں حامیوں کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کا عقیدہ ان سے ہٹ کر تھا۔ ان کے مطابق تمدن کی ظاہری شکل و صورت میں تبدیلی پیدا کر کے مغربی تمدن کے جوہر اور اصل بنیاد تک رسائی ممکن نہیں۔ ان کے بقول روس کے شہنشاہ پیٹر اعظم نے یورپ سے راس...

جاپانی قوم
اپنی ظاہری زندگی میں نمایاں تبدیلی کیے بغیر مغرب کے علمی و صنعتی تمدن کے جوہر کے حصول میں کامیاب و بامراد ٹھہری

حضرت علامہ اقبال نے اسی بنیاد کی پہلی اینٹ رکھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اہلِ مشرق کو مشرقی ہی رہنا چاہیے اور جدید تمدن کے ظواہر سے غاصہ احتیاط اور ضرورت کے تحت بہرہ ور ہونا چاہیے۔

ایران کے مرحوم دانشور علی شریعتی نے[۵۲]، جو مکتبِ اقبال کے پیروکار تھے، اس بات کو خوب صورت جملوں میں بکمال احسن مجسم کر دیا ہے، لکھتے ہیں:

ہر چند جاپان کا تجربہ، اقبال کے مطمحِ نظر کے ضمن میں مثالِ کامل قرار نہیں دیا جا سکتا، پھر بھی روشن خیال اربابِ فکر و دانش کے اس استدلال کو رد کرنے کے لیے کافی ہے کہ "یہ ممکن نہیں کہ صرف مغربی علم و صنعت

---

۵۲ علی شریعتی مرحوم، ایران کے مشہور مفکر و دانش ور، اسلام پسندی اور تجدید بنائے اسلام کی تحریک کے بانیوں میں سے اور ایران میں صحیح مشرقی تمدن کے پرزور حامی تھے۔ اگرچہ انھیں وفات پائے چند سال ہو چکے ہیں، لیکن ان کے شاگرد اور پیروکار انھیں کبھی بھی فراموش نہ کر سکیں گے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کے دورانِ دفورِ ان کے افکار ان کی تصویر کی طرح اُن کی اُن انتھک کوششوں کی یاد دلاتے رہے جو انھوں نے ایرانی تحریکِ اسلامی کے پروان چڑھانے اور اسے عظمت بخشنے میں کیں۔ ہم نے یہاں جو کچھ نقل کیا ہے وہ ان کی مختصر لیکن مشہور اور پُر اثر کتاب "ما و اقبال" حماسۂ تجدید بنای اسلامی" سے ماخوذ ہے۔

ہی حاصل کر لیا جائے اور اس کے ساتھ اپنے قومی تشخص، تہذیب و تمدن اور اخلاق کو بھی برقرار رکھا جائے"۔

جاپانی قوم جو ربع صدی کی قلیل مدت میں صنعت کے معاملے میں یورپ کے جدید ترین صنعتی ممالک سے بھی بازی لے گئی ہے مغرب پرستی اور جدت پرستی میں آئندہ ہزار برس تک بھی تہرانیوں اور ہمارے دوسرے روشن خیال اور تجدد پسند شہریوں کی گرد تک نہ پہنچ سکے گی۔ ذرا جاپانی عورت کو دیکھو کہ ایک طرف تو وہ اپنے ملک کی بنی ہوئی شاندار کار اور آج کی دنیا کے دیگر جدید ترین وسائل زندگی سے بہرہ ور ہے، لیکن دوسری طرف اس کا لباس اور اس کی زینت و آرائش قدیم ہی کی طرح ہے اور اس کا خُلق اور اس کی مذہبی خو بُو بھی وہی قدیم جاپانی خواتین کی سی ہے۔

جاپانی خاتون مغرب کے جدید لباس سے آشنا ہی نہیں ہے۔ اس کے برعکس ایرانی یا افریقہ کی حبشی عورت پر نگاہ ڈالو آج کی اس پوری ماڈرن دنیا اور جدید تمدن میں سے اگر اس کے پاس کچھ ہے تو وہ صرف مجلہ "بوردا" کا ایک شمارہ ہے، اور اس پر بھی وہ اس قدر آزاد اور ماڈرن بنی ہوئی ہے کہ سوئٹزرلینڈ کی عورتوں کی پس ماندگی پر اس کا دل کڑھتا ہے۔

یہ تو واضح ہے کہ کوئی بھی صاحبِ دانش و بینش اور انصاف پرست اس بات کا حامی و قائل نہیں ہو سکتا کہ سرزمینِ مشرق آج جہاں کھڑی ہے وہیں کھڑی رہے اور ترقی و پیش رفت سے بہرہ مند نہ ہو اور عظیم اور باقوت جدید تمدن کے مقابل ڈٹی رہے اور مغربی علوم و فنون اور صنعت سے بے نیاز ہو جائے نہ تو علامہ اقبال اس سوچ کے طرف دار ہیں اور نہ سید جمال الدین ہی جو بلاشبہ سرزمینِ مشرق میں اتحادِ اسلامی کے پہلے داعی تھے، اور نہ وہ اصحاب جو اقبال اور علی شریعتی کے مکتبِ خیال کے پیروکار ہیں۔ ان تمام اربابِ فکر و رائے اور رہبرانِ اجتماعی کا یہ عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کو حرکت میں آنا چاہیے تاکہ اس حرکت و عمل کی بدولت وہ اپنی ضروریات میں خود کفیل ہو سکیں۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

مردِ حق سرمایۂ روز و شب است — زانکہ او تقدیرِ خود را کوکب است

(مردِ حق روز و شب کا سرمایہ ہے کیونکہ وہ اپنے مقدر کا ستارہ آپ ہے)۔

اور مولانائے روم نے صدیوں پہلے اسی مضمون کو اس انداز میں پیش کیا تھا:

آب کم جو تشنگی آور بدست — تا بجوشد آبت از بالا و پست

(پانی کی تلاش میں نہ رہ تشنگی حاصل کر تاکہ تیرا پانی بالا و پست سے جوش مارے)۔

اور اقبال کے شاگرد باوفا علی شریعتی اس سلسلے میں رقم طراز ہیں :

" اسلام اپنے اس دورِ جمود و درماندگی میں قومیت کے تنگ چوکھٹے اور اپنے علاقائی ڈھانچوں میں محبوس و منجمد ہو کر رہ گیا ہے۔ جب میں کہتا ہوں 'اسلام' تو اس سے میری مراد مسلمان اور اسلامی معاشرہ ہے اور اسلام کی بینشِ جہانی (عالمی بصیرت) اور جہان بینی (عقیدہ) فراموش ہو چکی ہے۔ وہ وحدت جس کی بنیاد اسلام نے ایک عالمی طرزِ فکر پر، کہ جو کسی خاص قومیت یا خاص سرزمین میں محدود نہیں ہے، ڈالی تھی ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہے، اور بد قسمتی سے مسلمان پھر گوشہ گیری اور خود میں کھوئے رہنے کے دور میں لوٹ آنے اور روایت، تاریخ، مختلف قسم کے جاہلی مذاہب کے مخلوط عناصر، غیر اسلامی افکار اور اسلام کے مسخ شدہ عقائد کے محدود چوکھٹوں میں محصور و محبوس ہو چکے ہیں۔ بہرحال آج اس قسم کے لائحہ عمل سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ اسلامی معاشرے کے روشن خیال، کہ ان میں ایرانی بھی شامل ہیں، ایک ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں وہ ان محدود چوکھٹوں یعنی قومیت پرستی وغیرہ کو توڑ سکیں جو زمانے نے ان کے عظیم انسانی و فکری پیکر کے گرد کھینچ رکھے تھے۔ اور یہ ایک دنداں شکن جواب ہے ان لوگوں کے لیے جو یہ کہتے ہیں کہ رہبرانِ اسلام جمود اور سکون کے قائل و حامی اور ترقی و کمال کے مخالف ہیں ۔ ۔ ۔ اقبال کے پیغام کا نچوڑ کیا ہے ؟ میرا خیال ہے کہ اقبال کے یہ دو شعر اس کے پیغام کو، کم از کم ہمارے اس زیرِ بحث موضوع کے بارے میں، بخوبی واضح کر دیتے ہیں :

علم تا سوزی نگیرد از حیات دل نگیرد لذتی از واردات

علم اگر کج فطرت و بدگوہر است پیشِ چشمِ ما حجاب اکبر است (جاوید نامہ)

پیامِ اقبال اپنے من میں ڈوبنا اور اپنے وجود، تمدن، اپنے آئین و کیش اور اجتماعِ ملت کا سراغ پانا ہے۔ اپنی ذات سے شروع کریں اور خودی کے مواد یا مسالے کے ساتھ اپنی تعمیر، بنیاد سے اٹھائیں۔ اس کے بعد تعمیرِ نو اور تزئین کے لیے دوسرے درجے کے مصالح و لوازم کی طرف متوجہ ہوں۔ سید جمال الدین کی طرح اقبال کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآنِ پاک کو پہچانیں اور بہتر زندگی کے لیے قرآنِ کریم سے کسبِ فیض کریں اور از آں پس دیگر اہم آثار، قوانین اور غیر اسلامی اساطیر کی تلاش و جستجو میں مصروف ہوں۔ اب جبکہ قرآن شناسی کی بات چل نکلی ہے تو اس ضمن میں اسلام کی ایک عظیم شخصیت شیخ محمد عبدہٗ کا ذکر بھی ضروری ہے جنھوں نے مسلمانوں کے رجوع الی القرآن اور قرآنِ کریم سے ہمہ نوع استفادہ

وبہرہ مندی کے سلسلے میں بڑا اہم اور موثر کردار ادا کیا۔ شیخ مرحوم اس تحریک کے مبدع تھے اور انھوں نے مصر میں کہ فکر و فلسفۂ اسلامی کے ایک بہت بڑے مرکز الازہر کا مستقر تھا، اپنی تحریک کی ابتدا کی تھی۔ محمد عبدہٗ نے اس حالت میں کہ تمام علمائے اسلام ان کے مخالف تھے، یہ اعلان کیا کہ فی الحال قدیم علوم کی تمام شاخوں کو چھوڑ دیا جائے اور صرف اور صرف قرآن کی واضح تفسیر اور لوگوں کو قرآن کی پہچان کرانے کی طرف توجہ دی جائے۔

ڈاکٹر شریعتی، شیخ کی اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں :

”. . . ورنہ قرآن، جیسا کہ ابھی تک ہمارے یہاں معمول ہے، پڑھنے یا سمجھنے کے لیے نہیں ہے۔ اس کے معنی ہم پر پوشیدہ ہیں۔“

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کیا صرف استخارہ کرنے، نظر بد سے خود کو بچانے اور اسی قسم کے دوسرے کاموں اور توہمات ۔۔۔ کے لیے تعویذ وغیرہ کے کام آنے کے لیے ہے ؟ یا علمی حلقوں میں مختلف بحثوں، مثلاً کسی فقہی فیصلے کی تلاش و توجیہہ یا روایت اختلافی کی جستجو یا درس معانی و بیان و بدیع کی خاطر صنائع بدیعی اور مثال وغیرہ ڈھونڈھنے کے لیے ؟

حقیقت یہ ہے کہ ادھر قرآن کریم کھلا اور ادھر (اس کی بدولت) حامل جمود معاشرے اور مدارس اور قدیم مکاتب کے زنگ و غبار آلود دروازے کھل گئے، اور ان میں اجتماعی اور سیاسی رجحان غور و فکر، ذمہ داری اور آگاہی اور انسانی خود آگاہی، تعیین راہ اور راہ یابی کا شعور پیدا ہوا۔

رجوع الی القرآن کی تحریک کے فوراً بعد سید جمال الدین افغانی کی فکری تحریک کے ایک بیدار مغز مفکر محمد عبدہٗ کے ہاتھوں ”جامعہ علمائے اسلامی“ کے جدید مقولات اور نعرے تشکیل پذیر ہوتے۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمان اقوام کی بیداری زیادہ اسی قرآن شناسی اور ملی و دینی خود پسندی کی طرف توجہ کی مرہون منت ہے۔

انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں، یعنی اس دور میں کہ جب محمد عبدہٗ نے مصر میں قرآن شناسی کی تحریک (ایک ایسی تحریک جو شمالی افریقہ اور مغربی ایشیا کی مسلم اقوام کی بیداری کا سبب بنی) کا آغاز کیا، ایران میں بھی ایک اہم قدم اٹھایا گیا، ایک ایسا قدم جو مشرق کی مسلم اور غیر مسلم اقوام کی آزادی کی راہ میں بڑا اہم اور ذی قیمت تھا . . . میرزا حسن شیرازی نے تنباکو کو حرام قرار دینے کا جو فتوی جاری کیا اس نے

جہاں مشرقی اقوام کو اپنے باہمی ارتباط کی اہمیت کا احساس دلا دیا وہاں اہلِ عالم کے دل پر مسلمان پیشوائی کی طاقت کا بھی سکہ بٹھا دیا۔ آیت اللہ شیرازی کے فتوے کا متن یہ تھا:

(آج سے تنباکو کا استعمال، خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو، امامِ زماں سے جدال کے مترادف ہوگا)۔ یہ فتویٰ کچھ اس قدر موثر ثابت ہوا کہ لوگوں نے تنباکو اور حقے سے متعلق ہر قسم کے کاموں کو ہاتھ تک لگانا چھوڑ دیا، حتیٰ کہ شاہ کے محل میں بھی خود شاہ اور نائبِ شاہ وغیرہ کے لیے کوئی بھی حقہ تازہ کر کے نہ دیتا...

اقبال کہتے ہیں:

فارغ از خوف و غم و وسواس شو   پختہ مثل سنگ شو الماس باش

حتیٰ کہ انھوں نے حرکت و افتخار سے عاری زندگی کے مقابلے میں موت کو بہتر قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

در جہان نتوان اگر مردانہ زیست   ہمچو مردان جان سپردن زندگیست

آج نہ تو محمد اقبال ہمارے درمیان ہیں اور نہ علی شریعتی، دونوں اللہ کو پیارے ہو چکے، لیکن ان دونوں حضرات کے، جنھوں نے حقیقت کے ساتھ زندگی بسر کی اور حقیقت پسندی میں اپنی جان دی، عالمانہ افکار آج بھی ایشیا کے اسلامی ممالک کے پورے معنوی ماحول پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور ہم ایرانی تو حصولِ آزادی کی راہ میں خاص طور پر اقبال کے افکار کے بے حد مرہون ہیں۔ مرحوم شریعتی، علامہ اقبال کے بارے میں، جنھوں نے فارسی میں شاعری کی، جن کی سوچ اسلامی تھی اور طرزِ زندگی مشرقی تھا لیکن مغربی تمدن کے مظاہر سے بھی جنھیں کوئی پرخاش نہ تھی، اس طرح اظہارِ خیال کرتے ہیں۔

وہ ایک ایسا انسان تھا جس نے سیاسی بیداری کو انتہا تک پہنچا دیا (کچھ اس طرح کہ بعض لوگوں نے اسے بیسویں صدی کی فقط ایک سیاسی شخصیت، ملی آزادی کا ایک راہنما اور استعماریت کا دشمن جانا) اور علمی و فلسفیانہ افکار میں بھی وہ اس مرتبہ و پایہ کا تھا کہ آج مغرب والے اسے برگسان کی ٹکر کا معاصر مفکر اور فلسفی گردانتے ہیں جبکہ اسلامی تاریخ میں اسے غزالی کا ہم پلہ کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک ایسی شخصیت تھا جسے ہم اسلامی معاشرے کے ایک مصلح کے طور پر جانتے ہیں جو انسانی اور اسلامی معاشرے اور ایسے معاشرے کی حالت پر غور و فکر کرتا ہے جس میں وہ خود زندگی بسر کر رہا ہے، اور جس کی نجات، بیداری اور آزادی کے لیے جہاد و سعی کرتا ہے، اور وہ نہ صرف علمی و فنی صورت میں... بلکہ ایک ذمہ دار

صاحبِ عزم و ارادہ انسان کی شکل میں دیکھتا، کام لیتا اور تلاش و جستجو کرتا ہے۔ پھر یہ مولانا روم کا عشق بھی ہے، مولانا کے روحانی معراج کا ہم سفر اور آتشِ شوق، درد اور روحانی اضطراب و بے قراری کے ہاتھوں سوختہ و گداختہ۔

ہاں! تو اقبال ایک عظیم نابغۂ روزگار تھے جن کی شخصیت نہ یک پہلو تھی اور نہ اجزا پذیر ہوئی۔ وہ صرف ایک پہلو یا ایک جانب کے مسلمان نہ تھے بلکہ صحیح معنوں میں ہمہ جہتی مسلمان تھے۔ اگر مولانا روم سے بھی انھوں نے عشق کیا تو ان میں محو نہیں ہوگئے اور ایسا نہیں ہوا کہ وہ پوری طرح ان میں کھو گئے اور ایک ہی جانب جھک گئے۔

اقبال یورپ گئے تو وہاں بھی ایک فلسفی کی طرح رہے۔ انھوں نے یورپ کے مکتبِ فلسفہ کو خوب اچھی طرح سمجھا اور انھیں متعارف بھی کرایا۔ جس نے انھیں بیسویں صدی کا ایک فلسفی قرار دیا۔ ایک ایسا فلسفی جو مغرب سے مرعوب تو نہ ہوا البتہ اس نے مغرب کو تسخیر کر لیا۔ ایسا فلسفی جس نے بیسویں صدی کی یورپی اور مغربی تمدن میں ایک تنقیدی فکر اور قوت و تاب کے ساتھ زندگی بسر کی۔

جناب شریعتی کے مطابق اقبال کے افکار کے ذریعے سے انسان اور انسانیت کو معراج حاصل ہوئی ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس حضرت عیسیٰؑ کا سا دل، سقراط کی سی فکر اور قیصر کا سا ہاتھ ہو۔ اور یہ سب کچھ گویا خود اقبال اور ان کی شخصیت کی عکاسی کرتا ہے۔

علی شریعتی ہی کہتے ہیں:

اقبال فرماتے ہیں: زمانہ یعنی انسان کی سرنوشت و سرگزشت، انسان کی زندگی، اور خود انسان، موج ہے کوئی ساحلِ افتادہ نہیں۔ اور اس کا وجود اور اس کی ہستی حرکت و عمل ہی میں ہے۔

یہ وہ موقع ہے جہاں شریعتی، اقبال مرد کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ ایسا مرد جو زمانے کے موافق نہ ہونے پر بھی زمانے سے موافقت کرنے کی بجائے "زمانہ تجھ سے موافقت نہیں کرتا تو اس سے الجھ جا" کا معتقد تھا۔ اقبال کا عرفان نہ تو ہندی فقیر کا تصوف ہے اور نہ مذہبی تنگ نظری، بلکہ عرفانِ قرآنی ہے جس سے ضروری ہے کہ انسان زمانے کو بدل ڈالے۔